مِلاکُ التأوِیل (۱۳)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورۃُ المَائِدَۃ

(۸۱) آیت۶:

﴿وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۝۶﴾

''اور تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دے' شاید کہ تم شکر ادا کر سکو۔''

اور سورۃ النحل کی آیت ۸۱ میں ارشاد فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ۝۸۱﴾

''اور اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت کو تمام کرتا ہے' شاید کہ تم اسلام لے آؤ۔''

دونوں آیتوں میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پورا ہونے کا ذکر ہے' لیکن جس چیز کی امید کی جا رہی ہے' وہ دونوں آیات میں مختلف ہے' تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

جواباً عرض ہے (اور اللہ بہتر جانتے ہیں) کہ سورۃ المائدۃ میں اہل ایمان سے خطاب کر کے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نماز سے پہلے طہارت حاصل کرنا واجب ہے' پھر طہارت یعنی وضو کا طریقہ بتایا گیا اور پھر اللہ کے اس انعام کا ذکر کیا گیا کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمّم کی اجازت ہے' اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اسی لیے آیت کے آخر میں کہا گیا: ﴿لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾۔ اور جہاں تک سورۃ النّحل کی آیت کا تعلق ہے تو یہ سورت سوائے آخری تین آیات کے ساری کی ساری مکّی سورت ہے' اور اس سورت میں زیادہ تر کفارِ قریش اور ان کے ہمنوا اشخاص سے خطاب ہے۔ افتتاحی کلمات ہی دیکھ لیجیے: ﴿اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ﴾ (آیت ۱) ''اللہ کا حکم آ چکا ہے تو جلد بازی سے کام نہ لو''۔ یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جو قیامت کو جھٹلا رہے تھے اور یوں کفر کا ارتکاب کر رہے تھے' پھر ارشاد فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۝۱﴾ ''وہ پاک ہے اور برتر ہے ان شرکیہ امور سے جو یہ کرتے ہیں'' ـــــ ایک قراءت کے اعتبار سے ''تُشۡرِكُوۡنَ''

(جوتم کرتے ہو) یعنی خطاب کے صیغے سے بھی وارد ہے —— تو وضاحت ہوگئی کہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو شکوک وشبہات میں مبتلا تھے۔

اب دیکھئے کہ اس کے بعد ان کے گمراہ عقائد کا کیسے بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا:﴿اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مانند ہوسکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا' کیا یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں' وہ کوئی ایک چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور حال یہ ہے کہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں''۔ پھر ارشاد فرمایا:﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''اور جب ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کی کہانیاں ہیں''۔ پھر ارشاد فرمایا:﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ (النحل:۲۶) ''ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان (کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اُکھیڑ دیا تھا''۔ پھر فرمایا:﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''اگرچہ آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند ہیں لیکن اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے اُس نے گمراہ کر دیا اور نہ ہی ایسے لوگوں کا کوئی مددگار ہوگا''۔ پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ﴾ (النحل:۳۸) ''اور وہ لوگ بڑی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مُردوں کو زندہ نہیں کرے گا''۔ اور پھر فرمایا:﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ﴾ (النحل:۶۲) ''اور جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں وہ اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔''

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی بہت سی نعمتوں کا ذکر کیا اور پھر فرمایا:﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۷۳﴾﴾ ''اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انہیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے سکتے اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں''۔

اور پھر سورۃ النحل میں اسی انداز میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ چلا آتا ہے' یہاں تک کہ آیت ۸۱ کے شروع میں ارشاد فرمایا:﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ﴾ ''اور اللہ نے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے تمہارے لیے سائے بنائے ہیں' اور پہاڑوں میں تمہارے لیے غار بنائے ہیں' اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بنائے ہیں جو تمہیں بچاتے ہیں تمہاری لڑائی میں''۔ اور یہ سب تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ کے ان عجیب عجیب انعامات کا جن میں سے کسی کی بھی نسبت کسی اور سے نہیں کی جاسکتی' اور پھر آخر میں ارشاد فرمایا:﴿كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''اور وہ اسی طرح اپنی نعمت تم پر تمام کر رہا ہے کہ تم فرمانبردار بن جاؤ''۔ یعنی دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ کہ جس کے علاوہ آخرت میں کوئی اور چیز قبول نہ کی جائے گی۔

یہ سورت مکی سورت ہے اور جس مناسبت کا ہم نے ذکر کیا تھا وہ بالکل واضح ہے —— اور جہاں تک سورۃ المائدۃ کی آیت کا تعلق ہے تو وہاں شروع سے خطاب اہل ایمان سے کیا گیا ہے‘ ان کے علاوہ اور کوئی مخاطب نہیں رہا ہے۔ پہلے وہاں حلال اور حرام کا بیان کیا گیا‘ طہارت کا ذکر کیا گیا اور پھر پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمّم کی رخصت کا‘ اور پھر ان سارے انعامات کے بعد یہ کہنا مناسب تھا کہ تمہیں اب شکر کی توفیق ہونی چاہیے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

تو معلوم ہوا کہ ہر دو آیات کا اختتام ایسے جملے سے ہوا ہے جو اپنی جگہ پر بالکل مناسب ہے‘ اور اگر اس کا اُلٹ کیا جاتا تو قطعاً مناسب نہ ہوتا۔ واللہ اعلم!

(۸۲) آیت ۹:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹﴾

’’اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے‘ ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔‘‘

اور سورۃ الفتح کی آیت ۲۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹﴾

’’اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ان میں ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا۔‘‘

اس آیت میں ’’مِنْهُمْ‘‘ کا اضافہ ہے اور اس کے بالمقابل سورۃ المائدۃ کی آیت میں نہ ہی مخاطب کے لحاظ سے ’’مِنْكُمْ‘‘ کہا گیا اور نہ ہی غائب کے اعتبار سے ’’مِنْهُمْ‘‘ کہا گیا‘ اور دوسرے یہ کہ ’’وَعَدَ‘‘ کے بعد صراحتاً مفعول لانے کے بجائے پورا جملہ لایا گیا (یعنی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ) اور پھر یہاں بشارتِ عمومی ہے‘ کسی خاص گروہ کا ذکر نہیں ہے۔ تو آخر ایسا کیوں ہے؟

جواباً گزارش ہے کہ سورۃ المائدۃ میں پہلے دو مسائل بیان ہوئے جن میں خطاب صرف اہلِ ایمان سے ہے:

(۱) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ...... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶﴾

(۲) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ...... ﴾ (آیت ۷)

اور ان دونوں آیتوں کے درمیان ان پر اللہ کی نعمت اور ان کے عہد و میثاق کی یاد دہانی کرائی گئی: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ﴾ اور اس سارے بیان میں اہل ایمان کے سوا اور کسی کا ذکر نہیں لایا گیا‘ اس لیے یہاں کسی خاص گروہ کا خصوصی تذکرہ کا موقع و محل نہ تھا‘ اسی لیے عمومی انداز اختیار کیا گیا۔ وَعَدَ کا صریحاً مفعول بھی نہیں لایا گیا بلکہ اس کی جگہ پورا جملہ لایا گیا: ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ’’لَهُمْ‘‘ کہہ کر ان کے اس حق کا بھی بیان ہو گیا جس کا تعلق مغفرت اور اجرِ عظیم سے ہے۔

اور جہاں تک سورۃ الفتح کی آیت کا تعلق ہے تو اس سے پہلے اہل ایمان کی ایک تمثیل بیان کی گئی ہے جس کا تذکرہ تورات اور انجیل میں بھی موجود ہے' اور اس تمثیل میں ان کا یہ وصف بیان ہوا: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ﴾ ''وہ کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحم دل ہیں''۔ اور تمثیل میں ایک کونپل کا ذکر ہوا جو پھل پھول کر تن آور درخت کی شکل اختیار کر لیتی ہے جسے دیکھ دیکھ کر کسان خوش ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اہلِ ایمان کا یہ گروہ بھی بڑھ کر ایک تن آور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ جنہیں دیکھ دیکھ کر کفار غیظ وغضب کا شکار ہونے لگتے ہیں: ﴿یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِھِمُ الۡکُفَّارَ ؕ﴾۔ یہ ان لوگوں کی تمثیل بیان ہوئی ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ ہی کے زمانے کے لوگ تھے' اور ان میں وہ لوگ بھی چھپے ہوئے تھے جن کا نفاق ڈھکا چھپا نہ تھا۔ یہ لوگ بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لیکن باطنی طور پر کافر تھے' تو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذَا جَآءُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ قَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡکُفۡرِ وَ ھُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ﴾ (المائدۃ:٦١)

''اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے' حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی باہر نکلے۔''

انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ اِنَّھُمۡ لَمِنۡکُمۡ ؕ وَ مَا ھُمۡ مِّنۡکُمۡ ......﴾ (التوبۃ:٥٦)

''اور وہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں' حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں......''

اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کھول کھول کر سنا دیے اور نبی اکرم ﷺ کو اور تمام مؤمنین کو ان سے بچنے کی تاکید فرمائی: ﴿وَ لَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ﴾ (الاحزاب:٤٨) ''اور کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرنا''۔ اور پھر ﴿وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ﴾ میں یہ لوگ اس لیے شامل ہو گئے کہ وہ بظاہر ایمان کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اسی لیے سورۃ الفتح کی آیت میں ''مِنۡھُمۡ'' کا اضافہ کیا گیا یعنی ان تمام لوگوں میں سے یہ وعدۂ الٰہی ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔ فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡھُمۡ﴾۔ ''مِنۡ'' تبعیض کے لیے ہے' یعنی تمام لوگ مراد نہیں' بلکہ ان میں سے کچھ لوگ مراد ہیں۔

ایک دفعہ پھر سورۃ المائدۃ کی آیت کو جانچ لیں۔ وہاں ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ کہہ کر صرف ایمان والوں سے خطاب کیا جا رہا ہے' جب کہ ﴿وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ﴾ (الفتح:٢٩) میں ''مَعَ'' کا لفظ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو سچا ایمان رکھتے تھے یا صرف ایمان کا دعویٰ کرتے تھے' یعنی ظاہر میں تو ایک جیسے نظر آتے تھے لیکن بباطن مختلف تھے۔ اور یہ بات قیامت کے دن منافقین کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو وہ مؤمنوں کو مخاطب کر کے کہیں گے: ﴿اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ ؕ﴾ ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' جس کے جواب میں مؤمن کہیں گے: ﴿بَلٰی﴾ یعنی تم ہمارے ساتھ تھے لیکن تم مخلص نہ تھے' اور یہ بات ان کے اس قول سے ظاہر ہوتی ہے جب وہ کہیں گے: ﴿وَ لٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ﴾ (الحدید:١٤) ''لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالے رکھا''۔ ظاہر میں ان

کی معیت کا انکار نہیں کیا جا رہا‘ لیکن سورۃ الفتح کی آیت میں ’’مِنۡهُمۡ‘‘ کہہ کر اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں میں سے ایمان والوں (یعنی دل سے ایمان لانے والوں) سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ اور سورۃ المائدۃ میں صرف اہل ایمان کا ذکر ہے جن کا ظاہر اور باطن یکساں تھا‘ اس لیے وہاں ’’مِنۡهُمۡ‘‘ کے ذکر کی ضرورت نہ تھی‘ اور اس لحاظ سے دونوں آیتیں اپنے اپنے محل میں سیاق وسباق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔

(۸۳) آیت ۱۳:

﴿فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ۚ﴾

’’ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیا کرتے تھے اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا ایک حصہ بھلا بیٹھے تھے۔‘‘

پھر آیت ۴۱ میں ارشاد فرمایا:

﴿سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ ۙ لَمۡ يَاۡتُوۡكَ ؕ يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ﴾

’’(اور ان یہودیوں میں سے) وہ ہیں جو جھوٹی باتوں کو کان لگا کر سنتے ہیں‘ ان لوگوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے‘ اور کلمات کو بدل دیتے ہیں ان کی جگہوں کے بعد۔‘‘

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں ’’عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ‘‘ کہا گیا اور دوسری آیت میں ’’مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ‘‘ کہا گیا‘ تو اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

جواباً ہم یہ کہیں گے (واللہ اعلم) کہ پہلی آیت میں بنی اسرائیل کے اُن کفار کا تذکرہ ہے جو پہلے گزر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں ان سے عہد و پیمان لینے اور پھر ان کے کفر کرنے کا تذکرہ یوں کیا ہے: ﴿وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا ؕ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان میں بارہ سرداروں کو بھیجا‘‘۔ اور پھر اس بات کا تذکرہ کیا کہ اگر وہ نماز قائم کریں گے‘ زکوٰۃ دیں گے‘ رسولوں پر ایمان لائیں گے‘ ان کے ساتھ کھڑے رہیں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو گی‘ اللہ تعالیٰ انہیں برائیوں سے دور رکھیں گے۔ لیکن انہوں نے اپنے عہد کو توڑا‘ انبیاء کو قتل کیا‘ اللہ کے کلام میں تحریف کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا‘ داؤد اور عیسٰی علیہما السلام کی زبان پر ان کے لیے لعنت روا رکھی گئی‘ اور آیت کے آخر میں انہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا: ﴿فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰ لِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۝۱۲﴾ (المائدۃ) ’’اور پھر جو (اس عہد و پیمان) کے بعد بھی تم میں سے انکار کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا‘‘۔ لیکن دوسری آیت میں نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے لوگوں کا تذکرہ ہے‘ اللہ کے رسول ﷺ کو

تسلی دی جا رہی ہے کہ ان کی باتوں سے وہ آزردہ نہ ہوں اور جو کچھ وہ ان کے ساتھ کر رہے ہیں وہ ازل میں ان کی تقدیر میں لکھا جا چکا تھا اور ان لوگوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کی صرف پیروی کی ہے۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ﴾ (المائدۃ: ٤١) ''اے رسول (ﷺ)! آپ کو غمزدہ نہ کریں وہ لوگ جو کفر میں پیش قدمی کیے چلے جا رہے ہیں' اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کیا تھا''۔ اور انہی لوگوں کا یہ وصف بھی بیان ہوا: ﴿وَاِذَا جَآءُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ (المائدۃ: ٦١) ''اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے''۔ تو یہاں **خلف** (بعد میں آنے والوں) کا حال بیان کیا جا رہا ہے اور آیت ۱۳ میں ان کے **سَلف** (پہلے والوں) کا تذکرہ تھا۔ سلف نے چونکہ خود اپنے ہاتھوں سے آیات میں تحریف کی تھی' انہیں بدلا تھا' اس لیے مناسب تھا کہ ان کے بارے میں کہا جاتا: ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ ''وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے تبدیل کرتے تھے''۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا فعل تھا۔ ان سے پہلے کسی نے ایسی جسارت نہیں کی تھی۔ اب آیئے' خلف کی طرف' یعنی وہ یہودی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے' ان کا جرم صرف یہی نہ تھا کہ انہوں نے پہلے والوں کی تحریف کو برقرار رکھا بلکہ ایک مزید جرم کا بھی ارتکاب کیا اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے اور پرکھنے کے باوجود ان کا انکار کیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا سابقہ ان کے سلف کے ساتھ تو نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے معاصر لوگوں کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر ان کے سلف تحریف اور بدعت کے مرتکب ہوئے تھے تو خلف تحریف کے ساتھ ساتھ ان کی تقلید اور اتباع بھی کر رہے تھے' اور چونکہ یہ لوگ بعد میں آئے تھے اس لیے ان کی تحریف کے تذکرے میں ﴿مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ﴾ کا لانا مناسب تھا اور پہلے والوں کے لیے ﴿عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾ کہہ کر ان کے حال کا تذکرہ ہی مناسب تھا' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

(۸۲) آیت ۱۵:

﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ط﴾

''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا ہے جو تمہارے لیے وہ بہت سی باتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو تم کتاب میں سے چھپایا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔''

اور پھر آیت ۱۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ ۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ز فَقَدْ جَآءَکُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ ط﴾

''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا ہے (پچھلے) رسولوں سے ایک وقفہ کے بعد' جو تمہیں

کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ خبردار کرنے والا‘ تو اب (دیکھ لو) کہ تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا آ گیا ہے۔‘‘

سوال کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے‘ مقصد بھی ایک ہی ہے کہ انہیں یاددہانی کرائی جائے‘ انہیں ڈانٹا جائے کہ انہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی‘ اور جس راستے پر انہیں چلنے کی ہدایت دی گئی تھی اس سے وہ ہٹتے گئے‘ پھر ان کے بارے میں کہا گیا:﴿فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ (البقرۃ:۸۹) ’’جب ان کے پاس وہ کچھ آیا جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے اس کا انکار کیا‘‘۔تو پھر ان دونوں آیتوں کے درمیان اختلاف کی کیا وجہ ہے؟

جواباً عرض ہے کہ پہلے تو بطور تمہید یہ کہا گیا تھا:﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ﴾ (آیت۱۲) ’’اور جب اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان میں بارہ سرداروں کو بھیجا‘‘۔اور پھر انہیں بتایا گیا کہ ایک نبی آنے والا ہے‘ اس کی پہچان بھی کرائی گئی اور ان سے عہد لیا گیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں گے۔انہیں تاکیداً کہا گیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی نصرت کریں گے:﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ﴾ (آل عمران:۸۱) اور یہ بھی بتایا گیا کہ اگر وہ اپنے عہد کی پاسداری کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر کریں گے اور انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی: ﴿لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ﴾۔ انہوں نے اپنے اقرار کا برملا اظہار کیا:﴿قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا﴾ لیکن انہوں نے اپنے عہد کو توڑا‘ تحریف کی‘ اللہ کی آیات کو چھپایا‘ نتیجتاً ان پر لعنت بھیجی گئی اور ان کے دل سخت بنا دیے گئے۔ارشاد فرمایا:﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ﴾ (المائدۃ:۱۳) اور پھر ان آیات کے تناظر میں اس آیت کا نزول ہونا مناسب تھا:﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ اور اس تفصیل سے اس آیت کی مناسبت بالکل واضح ہوگئی۔

اب رہی دوسری آیت تو اس سے پہلے نصاریٰ کے ان عقائد کا ذکر ہے جو وہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔ایک قول تو اسی سورت کی آیت ۷۲ میں بیان ہوا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ﴾ (المائدۃ:۷۲)

’’ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔‘‘

اور پھر اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی عبودیت کا حال بیان کیا کہ باقی تمام مخلوقات کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں۔ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ﴾ (المائدۃ:۱۷)

"کہہ دیجیے کہ اگر وہ مسیح ابن مریم کو' ان کی ماں کو اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ اختیار رکھتا ہو۔"

پھر اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کا دعویٰ بیان کیا: ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۸) لیکن یہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہود کے ان اوصاف جیسا نہیں ہے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں' یعنی ان کا کتاب اللہ میں تحریف کرنا اور ان کے دلوں کا سخت ہونا' اور اسی لیے نصاریٰ کو خطاب کرتے وقت وہ ڈانٹ ڈپٹ اختیار نہیں کی گئی جو یہود کے بارے میں اختیار کی گئی کہ اللہ نے ان پر لعنت بھی بھیجی' ان پر ذلت بھی مسلط کی اور اپنا غضب بھی نازل کیا۔

اس لیے دوسری آیت میں پہلی آیت کے بالمقابل نرم لہجہ اختیار کیا گیا۔ ملاحظہ کیجیے کہ اس آیت میں ﴿يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ﴾ سے لے کر ﴿قَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ﴾ تک ملائم لہجے میں خطاب کیا گیا ہے' جو اس مقدمے سے مناسبت رکھتا ہے جو اس آیت سے قبل ذکر کیا گیا کہ جہاں نہ تحریف کرنے کا ذکر ہے نہ تبدیل کرنے کا۔ اور یوں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر آیت اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے اپنی جگہ پوری مناسبت رکھتی ہے اور اگر اس کا اُلٹ کیا جاتا تو وہ قطعاً غیر مناسب ہوتا۔ واللہ اعلم!

(۸۵) آیت ۱۷:

﴿قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔـا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ؕ﴾

"کہہ دیجیے کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو' ان کی والدہ کو اور جو بھی زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟"

اور سورۃ الفتح کی آیت ۱۱ میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ لَـكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔـا اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ ضَرًّا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ نَفۡعًا ؕ﴾

"کہہ دیجیے کون ہے جو تم میں سے اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع پہنچانا چاہے؟"

سوال کرنے والا سوال کر سکتا ہے کہ سورۃ الفتح کی آیت میں "لَـكُمۡ" کا اضافہ ہے جو کہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں نہیں ہے' تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے' واللہ اعلم' کہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں عمومی خطاب ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کا اطلاق سب پر ہو' کسی مخصوص گروہ پر نہ ہو' اور سورۃ الفتح میں کچھ مخصوص لوگوں سے خطاب ہے' اس لیے جس چیز کو موضوع بنایا گیا ہے' وہ انہی کے ساتھ مخصوص ہونی چاہیے۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ سورۃ المائدۃ میں نصاریٰ سے خطاب تھا' ان کا یہ قول بتایا گیا:

﴿لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ؕ﴾ (آیت ۱۷)

"بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی عمومی قدرت کا یوں بیان کیا کہ اے محمد (ﷺ)! ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ مسیحؑ کو‘ ان کی ماں کو‘ بلکہ تمام عالم کے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کوئی ایسا ہے جو اللہ کے سامنے کچھ اختیار رکھتا ہو؟ اور یہ جو مثال دی گئی اس میں مسیحؑ اور مریم کے بعد تمام خلائق کا ذکر کر کے اپنی عمومی قدرت کو واضح کر دیا‘ اس لیے یہاں کوئی ایسا لفظ لانا مناسب نہ تھا جس سے خصوصیت ظاہر ہوتی۔

اب رہی بات سورۃ الفتح کی مذکورہ آیت کی‘ تو وہاں ان لوگوں کا تذکرہ تھا جو غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ﴾ (آیت ۱۱)

’’بدوؤں میں سے وہ لوگ جو پیچھے کر دیے گئے تھے تم سے آ کر کہیں گے: ہم تو اپنے مال ومتاع اور بچوں میں مشغول رہ گئے تھے‘ تو آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کو بتایا کہ ان پیچھے رہ جانے والوں کی زبانی باتیں ان کے دلوں سے مطابقت نہیں رکھتیں‘ اور پھر یہ کہا کہ اے محمد (ﷺ)! ان سے کہہ دو: اے پیچھے رہ جانے والو! کیا اللہ کے سامنے کوئی کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا نفع پہنچانا چاہے؟ تو یہاں خطاب ایک مخصوص گروہ سے ہے۔ نقصان یا نفع چاہے ہو چکا ہو یا ہونے والا ہو‘ وہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے‘ کوئی دوسرا گروہ مراد نہیں ہے اور اسی لیے ’’لَكُمْ‘‘ کہہ کر اس بات کو ان کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ تو ظاہر ہو گیا کہ ہر آیت اپنے اپنے مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے اور اگر اس کا اُلٹ ہوتا تو وہ قابلِ تصور نہ تھا۔ واللہ اعلم!

(۸۶) آیت ۱۷ کے اختتامی کلمات:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷﴾

’’اور اللہ ہی کے لیے بادشاہت ہے زمین اور آسمان کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے‘ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے‘ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

اور پھر آیت ۱۸ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸﴾

’’اور اللہ ہی کے لیے بادشاہت ہے زمین اور آسمانوں کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے‘ اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضمون ایک ہی ہے لیکن پہلی آیت کا اختتام ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷﴾ پر ہو رہا ہے اور دوسری آیت کا اختتام ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸﴾ پر ہو رہا ہے‘ تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواباً عرض ہے کہ پہلی آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں کہا گیا کہ اگر وہ مسیحؑ کو‘ ان کی ماں کو‘ اور دنیا جہان کے تمام لوگوں کو ہلاک کرنے پر تُل جائے تو کیا کوئی اللہ کے

سامنے ذرا سا بھی اختیار رکھتا ہے؟ اور پھر ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ اس کے سامنے کوئی طاقت کھڑی نہیں ہو سکتی، وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور اسی بات کو دوسری جگہوں پر یوں ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط﴾ (النساء:۱۳۳)

''اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تمہیں لے جائے اور دوسروں کو لے آئے۔''

اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝﴾ (ابرھیم:۱۹ و فاطر:۱۶)

''اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے۔''

گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ ان مذکورہ لوگوں کو ہلاک کرنا چاہے اور ان کی جگہ دوسروں کو لانا چاہے تو کوئی ہے جو اللہ کے سامنے ذرا سا بھی اختیار رکھتا ہو؟ اور پھر ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٧﴾ کہہ کر اللہ کی وسیع قدرت کی طرف اشارہ کر دیا۔

اب آیئے آیت ۱۸ کی طرف، وہاں پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر یوں ہوا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط﴾

''اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ کہہ دیجیے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں سزا دے رہا ہے؟ نہیں! بلکہ تم اس کی مخلوقات میں سے بشر ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔''

اور پھر ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ کہہ کر بتا دیا کہ یہ مغفرت اور یہ عذاب کب ہوگا، یعنی اُس وقت جب اُس کے پاس واپسی ہوگی۔ تو اب واضح ہو گیا کہ دونوں آیتوں کا مقصود چونکہ الگ الگ تھا، اس لیے ان کا اختتام بھی مختلف ہوا۔ پہلی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قدرتِ کاملہ کی طرف اشارہ ہوا اور دوسری میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور عذاب دینے کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی طرف لوٹنے کا اشارہ دیا گیا۔ اور یوں دونوں آیات کی مناسبت پورے طریقے سے واضح ہو گئی۔

(۸۷) آیت ۲۰:

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ق وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٠﴾

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے انبیاء بھیجے اور تم میں سے بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ کچھ دیا جو اُس نے تمام جہانوں میں سے کسی اور کو نہیں دیا تھا۔''

اور پھر سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ اَنۡجٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ۚ﴿۶﴾﴾

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تمہیں آلِ فرعون سے بچایا' جو تمہیں بُری طرح ایذاء پہنچاتے تھے' تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے' اور اس میں تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ المائدۃ کی آیت میں ''یٰقَوۡمِ'' کہہ کر ان سے خطاب کیا گیا' لیکن سورۃ ابراہیم کی آیت میں انہیں مخاطب نہیں کیا گیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ المائدۃ میں ان پر کیے گئے کئی احسانات کا ذکر ہے' جیسے یہ کہ ان میں نبی بھیجے گئے' ان میں بادشاہ بنائے گئے' انہیں وہ کچھ دیا گیا جو دوسروں کو نہیں دیا گیا' اور اس اندازِ تخاطب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی اہمیت سے نوازا ہے۔ انہیں اگلی اور معاصر قوموں پر فضیلت دی گئی ہے' اور اسی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں ''یٰقَوۡمِ'' کہہ کر خطاب کیا گیا کہ جس میں قربت اور فضیلت کا احساس ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں سورۃ ابراہیم میں صرف ایک بات کا ذکر ہے اور وہ ہے اس بات کی یاددہانی کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے انہیں فرعونیوں کے ظلم وستم سے نجات دلائی' وہ جو کہ ان کے بچوں کو تو قتل کر دیتے تھے لیکن ان کی بچیوں کو ذلّت کا احساس دلانے کے لیے چھوڑ دیا کرتے تھے' اور اس وجہ سے یہاں صرف ان سے خطاب کیا گیا ہے' خصوصی طور پر انہیں ''یٰقَوۡمِ'' کہہ کر پکارا نہیں گیا ہے۔ واللہ اعلم!

❋ ❋ ❋

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اَقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے